ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی

’’انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے، جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی، باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ میں ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔‘‘

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

APR 16

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

₹10/-

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جمود کو توڑنے والی تحریکیں- خود جمود کا شکار

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

تاریخ کا ایک سبق جو بار بار دہرایا جاتا رہا اور جس سے عبرت حاصل کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ بہت سی بنیادی اصلاحی تحریکیں جو در حقیقت اس مقصد سے اٹھیں کہ عقل وفکر اور زندگی پر طاری جمود کو توڑ دیں، اسلام کے بہتے ہوئے دریا کی سطح پر جم جانے والی کائی کو دور کریں، اور معاشرہ میں رائج ان رسموں، عادتوں اور رواجوں کی زنجیروں کو توڑ دیں جن کی نہ کوئی دینی حقیقت ہے اور نہ معقولیت۔

جو تحریکیں اس لیے وجود میں آئی تھیں کہ اسلامی معاشرہ کی جامد عقلوں کو جھنجھوڑ دیں، ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کردیں تاکہ نئی نسل اپنے زمانہ کو، زمانہ کی مشکلات کو سمجھ سکے، زمانہ کے صحیح اور معقول تقاضوں کی تکمیل کرسکے، زمانہ کا ساتھ دے سکے، اور صرف ساتھ ہی نہ دے سکے بلکہ اپنے زمانہ کی قیادت ورہنمائی کرسکے۔ اور اس بات کا ثبوت پیش کرسکے کہ اسلام ہر زمانہ کے سوالات کا جواب فراہم کرسکتا ہے، مشکلات کو حل کرسکتا ہے، وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی اور ہر دور میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تاریخ کا یہ بڑا عبرت ناک سبق ہے کہ ایسی اصلاحی تحریکیں (اگر ان کو انقلابی نہ کہا جائے) مرور زمانہ کے ساتھ خود اسی جمود کا شکار ہوگئیں جس سے نبرد آزمائی کے لیے وجود میں آئی تھیں اور اپنے ابتدائی طریق کار اور لائحہ عمل کی زنجیروں میں گرفتار نظر آنے لگیں، جو طریق کار ان تحریکات کی ابتداء میں اس وقت کے تقاضوں کے مطابق وضع کیا گیا تھا اور جو ایک محدود دائرہ کے اندر اصلاحی تحریک کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا، ان تحریکوں اور ان سے متعلق افراد نے ان لکیروں کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے جو تحریکیں ان تحریکوں کے سربراہوں نے ماضی میں بڑے اخلاص اور بڑے فہم وتدبر کے ساتھ زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اور نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بنائی تھیں: "یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين" (اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل ومتقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریک اہل باطل کے غلط انتساب ودعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے)

لیکن ان جماعتوں اور تحریکوں نے ان لکیروں کو اس مضبوطی سے تھام رکھا ہے، جیسے کوئی کسی نص قطعی اور منصوص حکم پر جما رہے جس میں نہ کسی حذف واضافہ کی گنجائش ہو، نہ کسی طرح کی لچک یا توسع کا امکان، جس کی وجہ سے ان دعوتوں اور تحریکات میں کام کرنے والوں کے ذہنوں میں جمود کا سایہ ہوگیا ہے، اور ان میں کبھی کبھی انتہا پسندی بھی آجاتی ہے کہ وہ اپنے طریق کار سے سرمو تجاوز گوارہ نہیں کرتے، اور اس پر اس طرح اصرار کرتے نظر آتے ہیں جیسے وہ بھی کوئی شریعت کی نص قطعی ہو یا منزل من اللہ قرآن کی آیت۔

اس کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ تحریک قوت نمو کھو چکی ہے، اس میں اتنی قدرت وصلاحیت باقی نہیں کہ ماحول کا از سر نو جائزہ لے، روح عصر کو پہچانے، نئے تقاضوں کو سمجھے، زمانہ کی نبض پر انگلیاں رکھے، اس کے مرض کی صحیح تشخیص کرے اور اصلاح ودعوت کا طریق کار اور زندگی کے حقائق اور تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کبھی بھی زمانہ سے پیچھے نہیں رہا، اس نے ہمیشہ انسانی معاشرہ کی قیادت کی ہے اور اپنی تعلیمات اور زمانے کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے، ایسے علماء اور قائدین ہر دور میں موجود رہے ہیں جن میں فکری بالیدگی تھی، بے مثال ذہانت تھی، وہ دینی اصولوں اور شریعت کے اولین مصادر سے احکام کے استنباط اور اجتہاد کی قدرت وصلاحیت رکھتے تھے، انہوں نے حیرت انگیز صلاحیت اور بے مثال عبقریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر زمانہ اور ہر مقام کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا، زمانہ کے مطالبات اور امت مسلمہ کی ضرورتوں کی تکمیل کی، انہوں نے زندگی کے حقائق سے کبھی آنکھیں بند نہیں کیں، وقت کی طلب اور زمانہ کی آواز پر ہمیشہ کان لگائے رہے، یہی وجہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ زندگی سے بھرپور اور مقبول ومحبوب رہا، انسانی معاشرہ کی قیادت کرتا رہا، اور اسلام کے دائرہ کے اندر صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا رہا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۸ | اپریل ۲۰۱۶ء | شمارہ: ۳

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دار عرفات)
نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

خدا فراموشی

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾

(اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو ایسا بنا دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں)

(سورۃ الحشر: ۱۹)

ماہانہ زرتعاون: Rs.10/-
www.abulhasanalinadwi.org
سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
E-Mail- markazulimam@gmail.com

فہرس

اسلام کے خلاف پروپگنڈہ (اداریہ) ۳

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام-قربانی کی اعلی مثال ۴

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

ذکر الٰہی ۶

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

باہمی تعلقات-اسلامی ہدایات کی روشنی میں ۸

مولانا اسرارالحق قاسمی

سیرت نبوی ﷺ-قرآن کریم کے آئینہ میں ۱۰

بلال عبدالحی حسنی ندوی

نماز کی مکروہات ۱۲

مفتی راشد حسین ندوی

اسلامی لباس ۱۴

عبدالسبحان ناخدا ندوی

جرم ضعیفی کی سزا ۱۵

مولانا عزیزالحسن صدیقی (غازیپوری)

شعور کا فقدان ۱۷

امین حسنی ندوی

والدین کے حقوق ۱۹

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اسرائیلی پالیسی ۲۰

محمد نفیس خاں ندوی

مقدس فضاؤں

حرم کی مقدس فضاؤں میں گم ہوں
میں جنت کی ٹھنڈی ہواؤں میں گم ہوں
میں بے گانہ ہوکر ہر ایک ماسوا سے
بس اک آشنا کی وفاؤں میں گم ہوں
زبانیں جہاں گنگ ہیں، لفظ ششدر
تحیر کی ایسی فضاؤں میں گم ہوں
میں کعبہ کے بے آب و رنگ پتھروں سے
کرم کی امنڈتی گھٹاؤں میں گم ہوں
کبھی سنگ اسود کی کرنوں سے حیراں
کبھی ملتزم کی دعاؤں میں گم ہوں
مقفل ہے در، لٹ رہے ہیں خزانے
عطا کی نرالی اداؤں میں گم ہوں
ہر ایک دل سے ظلمت کے دل چھٹ رہے ہیں
غلاف سیہ کی ضیاؤں میں گم ہوں
جو میرے گناہوں کو بھی دھو رہی ہے
میں رحمت کی ان انتہاؤں میں گم ہوں
یہ میزاب رحمت پہ پر درد نالے
فلک سے برستی عطاؤں میں گم ہوں
یہ زمزم کے چشمے، یہ پیاسوں کے جمگھٹ
زمیں سے ابلتی شفاؤں میں گم ہوں
جو اس آستاں کے لگاتے ہیں پھیرے
میں ان کے جنوں کی اداؤں میں گم ہوں
کھڑے ہیں بھکاری ترے در کو تھامے
میں ان کی بلکتی صداؤں میں گم ہوں
یہ سینے سے اٹھتی ندامت کی آہیں
میں ان درد دل کی دواؤں میں گم ہوں
یہ کعبہ کے درباں، یہ نازوں کے پالے
میں ان کی پیاری جفاؤں میں گم ہوں
تصور میں یادوں کی محفل سجی ہے
تخیل کی دلکش خلاؤں میں گم ہوں
ابھی شرح الفت کی منزل کہاں ہے
ابھی تو تقی! ابتداؤں میں گم ہوں

نتیجۂ فکر: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مدیر کے قلم سے

اسلام کے خلاف پروپگنڈہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، یہ انسان کے اندر کا وہ حیوانی جذبہ ہے جو کبھی کسی چیز کے ردعمل میں پیدا ہوجاتا ہے، پھر انسان اپنی انسانیت کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور انسانی آبادیوں میں ایک بھیڑیے کی طرح پل پڑتا ہے، وہ اپنی عقل کھودیتا ہے، اور ایسے کام کرجاتا ہے کہ درندہ بھی شرما جائے۔

اس طرح کے بھیڑیا صفت لوگ اس وقت دنیا کے مختلف علاقوں میں دندناتے پھر رہے ہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو پانی وہاں سے مل رہا ہے جن کی طرف ذہن جانا بھی مشکل ہوتا ہے، اس وقت دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اپنی طاقت کے نشہ میں اتنی چور ہیں کہ ان کو انسانیت کا ذرا بھی درد نہیں، وہ اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔

داعش کے نام پر جو انسانیت سوز حرکتوں کا میڈیا میں چرچا ہوتا ہے، وہ حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی اور ان کی شبیہ مسخ کرنے کی ایک لمبی پلاننگ ہے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے اندر کی کشش نے جس طرح دنیا کو اپنی طرف مائل کیا ہے، وہ ان طاقتوں کے لیے سوہان روح ہے، ان طاقتوں نے جو پلاننگ کی ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اسلام کی تصویر مسخ کرکے پیش کی جائے اور اس کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے نام پر وہ اقدامات کرائے جائیں جن کو دیکھ کر اور سن کر لوگوں کے اندر مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو، اور اس کے نتیجہ میں وہ اسلام سے بدگمان ہوں اور اس کی طرف جو کشش پیدا ہورہی ہے وہ ختم ہوجائے اور اس کے راستہ میں منافرت کی ایسی بلند دیواریں کھڑی کردی جائیں کہ اس کی کوئی کرن بھی دوسری طرف پہنچنے نہ پائے۔

دنیا میں ہونے والے دہشت گردانہ واقعات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں بڑی تعداد ان واقعات کی ہے جو غیروں کی طرف سے ہوتے ہیں، اور اگر سو سال کی مسیحی دنیا کی تاریخ پلٹ کر دیکھی جائے تو دہشت گردانہ واقعات و مظالم کا ایسا سلسلہ نظر آئے گا کہ اب پیش آنے والے واقعات اس کے آگے شرما جائیں، اسپین کے پہلے مسیحی بادشاہ فیرڈیننڈ (**Ferdinand**) نے پانچ لاکھ مسلمانوں کو زندہ جلادیا، سوویت یونین میں اسٹالن (**Stalin**) نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو ہلاک کردیا، اور اس طرح کی نہ جانے کتنی سرخیاں ہیں جو تاریخ انسانی کے لیے ایک کلنک کا ٹیکہ ہیں، پرانی باتیں چھوڑیئے آج کی دنیا میں دیکھئے جاپان پر بم کس نے گرائے؟ عراق و افغانستان اور دوسرے ملکوں میں لاکھوں لوگوں کی جان کس نے لی اور کس جرم میں لی؟ عراق میں جب الزام ثابت نہ ہوا تو لاکھوں لوگوں کی جان لینے کے بعد کیا صرف "**I am Sorry**" کہہ دینا کافی ہوا؟ اور آج بھی واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے نام پر جو کچھ دنیا میں کرایا جارہا ہے اس کے پس پشت ان ہی ظالموں کا ہاتھ ہے، جن کو ایک بڑے کاز کے لیے اپنے آدمیوں کو مروانے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا، افسوس یہ ہے کہ اس وقت دنیا کی لگام ان ہی انسانیت کش لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مشرقی قومیں اس سے سبق لیں، اور خاص طور پر مسلمان دوبارہ اپنا وہ اخلاقی نظام سامنے پیش کریں جس نے دنیا کو پہلے بھی مسخر کیا تھا اور آج بھی تسخیر عالم کا یہی ایک ایسا نسخہ ہے جو اگر آزما لیا جائے تو ساری دنیا انسانیت کا گہوارہ بن جائے اور شاید یہ مصرعہ پھر صادق آئے کہ ؏ ادھر سے ادھر ہوگیا رخ ہوا کا

حضرت ابراہیم علیہ السلام

قربانی کی اعلیٰ مثال

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غیر معمولی قبولیت سے نوازا، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے تین ایسی قربانیاں دیں، جن میں سے ہر قربانی غیر معمولی اور تاریخی ہے۔

پہلی قربانی یہ دی کہ توحید کی خاطر آگ میں جلنے کے لیے تیار ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ انہوں بذات خود غور کر کے توحید کا راستہ اختیار کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستاروں کی پرستش کرتی تھی، جس کے مندر بھی بنے ہوئے تھے، انہیں کے ناموں سے مورتیاں ہوتی تھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ دی اور توحید کا راستہ عطا فرمایا، انہوں نے اس بات پر غور کیا کہ یہ ستارے پرستش کے لائق ہیں یا نہیں، انہوں نے سوچا کہ ستارہ بہت بلندی پر ہے، ہماری قوم اس کو اتنی بلندی پر سمجھنے کی وجہ سے خدا تسلیم کرتی ہے، یہ سوچتی ہے کہ اس میں خدائی صفات آگئی ہیں، اسی لیے ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی پوجا کی جائے، اس سے مرادیں مانگی جائیں، اس کو خوش کرنے کی کوششیں کی جائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ غور بھی کیا کہ ستارے تو ایک متعین راستہ پر چل رہے ہیں، جس سے وہ ہٹ نہیں سکتے، ایک حبہ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتے، جب کہ خدا دوسرے کا پابند نہیں ہو سکتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی ذات ہے جس نے ان کو ایسا پابند بنایا ہے کہ وہ اس حساب سے چلیں، لہٰذا یہ ستارے خدا نہیں ہوئے، بلکہ خدا وہ ہوا جس نے ان کو بنایا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند کو دیکھا جو کہ بہت روشن ہے اور اس سے لوگوں کو سکون بھی حاصل ہوتا ہے، سوچا شاید انہیں منافع کے پیش نظر ہماری قوم اس کی پوجا کرتی ہو، لیکن اس کا بھی یہی نتیجہ نکلا کہ وہ بھی پابند ہے، وہ بھی اپنے راستہ اور طریقہ سے نہیں ہٹ سکتا، اس کے بعد جب سورج طلوع ہوا تو اس پر غور کیا کہ یہ بہت بڑا ہے، شاید لوگ اسی وجہ سے اس کی پوجا کرتے ہوں، لیکن وہ بھی ایک متعین وقت پر غروب ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کشمکش کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ضرور کوئی ایک ایسی ذات موجود ہے جس کے حکم سے تمام چیزیں گردش کر رہی ہیں، لہٰذا اپنے رب سے یہ دعا کی: اے پروردگار! آپ ہی ہمیں صحیح راہ دکھائیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی توفیق سے توحید کی راہ اختیار کی، اور اپنی قوم سے مقابلہ شروع کر دیا، ان کے تمام بتوں کو توڑ دیا، اور بڑے بت کی گردن میں کلہاڑی لٹکا دی، تاکہ قوم اس بات کو سمجھے کہ یہ بیکار ہیں، کوئی بھی ان کو توڑ سکتا ہے، لہٰذا جب کوئی بھی شخص ان کو توڑ سکتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی بے حیثیت چیز بھی خدا ہو سکے، پھر یہ کہ جو بڑا بت ہے اس کی گردن میں کلہاڑی لٹکی ہے، ہو سکتا ہے اس بڑے بت ہی نے تمام بتوں کو توڑا ہو، لیکن قوم نے کسی بات پر غور نہیں کیا بلکہ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بہت غصہ آیا اور کہا کہ تم اپنی اس حرکت کو چھوڑ دو، ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے حقیقت کو سمجھ لیا ہے، ہم باز نہیں آئیں گے، چنانچہ آخر میں یہ طے ہوا کہ ان کو جلا دیا جائے، اس کے لیے آگ جلائی گئی اور اس میں ان کو ڈال دیا گیا، لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ہم جل جائیں یا مر جائیں، بلکہ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہم توحید نہیں چھوڑیں گے۔

بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی قربانی ہے کہ ان کو آگ میں ڈالا جا رہا ہے، اور وہ اس کے لیے بغیر کسی جھجک کے تیار بھی ہیں، لیکن وہ اللہ جس کی ذات ہر چیز پر قادر ہے اس کی طرف سے یہ کرم ہوا کہ اس نے آگ کی صفت کو سلب کر لیا، اللہ کا حکم ہوا اور آگ میں جلانے کی صفت ختم ہوگئی، چنانچہ آگ جلتی رہی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں جلے، اور قوم کو ناکامی ہوئی، اس کے بعد یہ طے ہوا کہ ان کو بستی سے نکال دیا جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہم جا رہے ہیں مگر توحید سے باز نہیں آئیں گے، غرض کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پر قائم رہنے کے سلسلہ میں یہ وہ قربانیاں ہیں جن کی بنیاد پر اللہ نے ان کو توحید کا امام قرار دیا، آنے والے تمام انبیاء اور قوموں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری

اوران کی تقلید کرنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ حضور ﷺ کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ ابراہیم کے طریقہ پر رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بڑی قربانی یہ تھی کہ آپ کے نوے سال سے زیادہ کی عمر ہونے پر بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی، ایک لمبی مدت گذرنے کے بعد حضرت ہاجر کےبطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اپنے گھر والوں سے انسان کا محبت کرنا فطری بات ہے، چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں محبت کا جذبہ بھی غیر معمولی تھا، اس لیے آپ کو بھی اپنے بیٹے سے غیر معمولی محبت تھی، چنانچہ اسی محبت کی آزمائش کا وقت آیا، اور اللہ کا حکم ہوا کہ ان کو کسی دوسری جگہ چھوڑ آئیں، اپنے پاس نہ رکھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام شام یعنی فلسطین میں رہتے تھے، لیکن اپنی بیوی اور شیر خوار بچہ کو لے جاکر مکہ میں اس جگہ چھوڑ دیا جو جگہ اللہ کا پہلا گھر تھی، جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی، وہ جگہ ایک ایسی خشک اور چٹیل صحراء کے درمیان واقع تھی جہاں زندگی گذارنے کا کوئی ساز وسامان میسر نہ تھا، نہ ہی قرب وجوار میں کوئی آبادی تھی، حکم خداوندی کی تعمیل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اپنی ان بیوی سے بھی دور ہوگئے جن سے اولاد ہوئی، اور اپنے اس بچہ سے بھی دور ہوگئے، جوان کے بڑھاپے کا سہارا تھا، یہ دوسری قربانی ایسی تھی کہ صرف یہی نہیں اولاد کو دور کیا ہو بلکہ ان کو ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں ان کا زندہ رہنا بھی مشکل تھا، اس بات کا خطرہ تھا کہ وہ وہاں زندہ نہیں رہ سکیں گے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس جگہ سے اپنی اہلیہ اور بچہ کو چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ھاجر علیہا السلام نے پوچھا کہ آپ ہم کو کس کے سہارے پر چھوڑ کر جارہے ہیں؟ ہم یہاں کیا کریں گے؟ اس بچہ کا کیا ہوگا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ کا حکم ہے اس لیے ہم جارہے ہیں، یہاں یہ غور کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس شیر خوار بچہ کو چھوڑ کر محض اللہ پر بھروسہ کرکے روانہ گئے، جس کی حفاظت کے لیے طرح طرح کے وسائل چاہئیں، جب کہ جس جگہ اس بچہ کو چھوڑا تھا وہاں انسان کے زندہ رہنے کے لیے کسی طرح کے وسائل موجود نہ تھے، تو بچہ کے زندہ رہنے کے کیا وسائل ہوسکتے تھے، اتنے دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ دیا اور اس کو بھی موت کے منہ میں حکم خداوندی کی خاطر چھوڑ دیا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجر علیہا السلام کی طبیعت پر اس وقت کیا اثر پڑا ہوگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ یہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اللہ نے ان کا مکمل انتظام فرمایا، پانی کا بھی نظم ہوگیا، پھر اللہ کا حکم کہ یمن کے قبیلہ جرہم کے لوگ بھی یمن میں تباہی کی وجہ سے اس طرف آگئے، جب وہ لوگ وہاں قریب سے گذر رہے تھے، اچانک انہوں نے بعض پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا، جس سے ان کو یہ اندازہ ہوا کہ شاید یہاں کہیں پانی ہے، ورنہ یہاں یہ پرندے خشک علاقے میں نظر نہ آتے، چنانچہ وہ لوگ بھی اس جگہ تک پہنچ گئے، جہاں انہوں نے دیکھا کہ اللہ کی طرف سے زمزم پیدا ہوچکا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت ہاجر سے یہ فرمائش کی کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں؟ حضرت ہاجر نے خوشی خوشی اجازت دے دی، اس طرح وہاں ایک چھوٹی سی آبادی ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بڑی قربانی یہ ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، تو حکم خداوندی یہ ہوا کہ ان کو ذبح کردیا جائے، غور کا مقام ہے کہ ایک ایسا نوجوان جس کی بڑی اچھی تربیت ہوئی ہو، اپنی ماں کا انتہائی خیال کرنے والا ہو، والد کی بہت خدمت کرنے والا ہو، ایسے میں ایک دم یہ حکم ہو کہ اس کو ذبح کردیا جائے، اس کی کون تاب لاسکتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تابعداری کی، اپنے اس بیٹے کو جو جوان ہوچکا تھا، جس سے بڑی امیدیں قائم ہوگئی تھیں، اللہ کے لیے قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔

مذکورہ بالا تینوں قربانیوں میں سے ہر قربانی آخری درجہ کی ہے، جن میں سے ہر ایک پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے پورے اترے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا مقام عطا فرمایا، ان کو اپنا دوست بنایا یعنی ان کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جو سارے انسانوں میں سب سے بلند مرتبہ ہے، ان کے بعد گویا جتنے نبی آئے سب کو حضرت ابراہیم ہی کے حصار میں رکھا گیا، انہیں کا تابعدار بنایا گیا۔

ذکرالٰہی

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے لیے آخرت میں سب سے زیادہ پسندیدہ چیز اور سبقت کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے، بندگان خدا جو جنت کے لائق ہوں گے جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور نعمت ہائے جنت سے ہمکنار ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ کہے گا، اور کچھ مانگو، وہ حیرت سے پوچھیں گے کیا اس کے بعد بھی کوئی چیز ہوسکتی ہے؟ سب کچھ تو مل گیا، آپ کا دیدار بھی مل گیا، سب سے لطف اور مزے والی چیز اللہ کا دیدار ہے، پھر اللہ فرمائے گا تم پر میں اپنی رضا واجب کررہا ہوں، اور میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

اللہ کی رضا سب بڑی دولت ہے، اسی لیے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ﴾ (اور اللہ کی خوشنودی بہت بڑی چیز ہے) تو ظاہر ہے جب اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے تو یہ بڑی چیز ملے گی، سب سے بڑی چیز سے، اور وہ ہے اللہ کا ذکر، گویا اللہ کی رضا بھی بڑی چیز اور اللہ کا ذکر بھی بڑی چیز، اور بڑی چیز بڑی ہی چیز سے ملتی ہے۔

ذکر کی جمع اذکار ہے، ذکر کے ایک معنیٰ یاد کرنے کے ہیں، اس کی مختلف شکلیں ہیں: ۱- لسانی یعنی زبان سے اللہ کو یاد کرنا، ۲- قلبی یعنی دل سے اللہ کو یاد کرنا، ۳- تیسرا مرحلہ چرچا کرنے کا ہے کہ خود بھی ذکر کریں، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

ذکر جب اتنی بڑی چیز ہے تو اللہ نے اس کے لیے انتظام بھی کیا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، اور اقامت کہی جاتی ہے۔ جو ذکر بھی ہے اور علم بھی، گویا علم وذکر کان میں ڈال دیا گیا، دونوں کا رس دل ودماغ میں گھول دیا گیا، تاکہ دل ٹھیک رہے جس کا تعلق ذکر سے ہے، اور دماغ سے بھی ٹھیک رہے جس کا تعلق علم سے ہے، اور دونوں اسی وقت صحیح رخ پر لگ جائیں اور چلنے لگیں، قرآن میں اللہ نے جابجا ذکر کا حکم دیا ہے: ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ کوئی احسان کرے تو اس کا شکر ادا کیا جائے ورنہ وہ احسان فراموش کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو بچپن ہی سے بے شمار نعمتوں سے مالا مال کرتا رہتا ہے، اگر وہ اللہ کو یاد نہ کرے، تو کتنی بے وفائی کی بات ہے، کتنی بے شرمی، بے غیرتی اور احسان فراموشی کی بات ہے، تو ذکر انسان کی طبیعت میں داخل کردیا گیا ہے، اگر کسی کے اندر یہ بات نہ ہو تو وہ احسان فراموش ہے۔

پھر اللہ نے یاد کرنے کا طریقہ بھی بتادیا کہ اگر کوئی اس کو یاد کرنا چاہے تو اس طرح یاد کرے، عام طور سے خط پر پتہ لکھا جاتا ہے تو اسی زبان میں لکھا جاتا ہے، جو زبان چل رہی ہو، اگر اردو میں پتہ لکھیں تو گم ہوجائے گا، ہندی میں لکھیں تو جلدی پہنچے گا، اگر انگریزی میں لکھیں تو ساری دنیا میں پہنچتا ہے، اسی طرح ذکر کا معاملہ ہے کہ عربی میں اس تو اس کا فائدہ غیر معمولی ہوگا، یوں تو اللہ تعالیٰ ہی زبانوں کا خالق ہے، جو جس زبان میں چاہے اللہ کو یاد کرے، اور جس طرح چاہے یاد کرے، اس کو فائدہ تو ہوگا، لیکن جو اللہ کا دیا ہوا ہے، اس کا جو فائدہ ہوگا وہ ترجمہ میں نہیں ہوسکتا، جیسے السلام علیکم کہنے پر ۱۰/ نیکی، ورحمۃ اللہ کہنے پر ۲۰/ نیکی اور برکاتہ پر ۳۰/ نیکی لیکن اس کا ترجمہ کردیں تو نہ دس، نہ بیس، نہ تیس، میں آداب بجالایا، آپ پر سلامتی ہو، اس سے وہ فائدہ نہیں ہوگا جو السلام علیکم کہنے کا ہوگا، اسی لیے اللہ نے سلام کو اتنا آسان کردیا کہ ہر شخص کہہ سکتا ہے خواہ کسی علاقہ کا رہنے والا ہو، اللہ کا دستور ہے کہ وہ ہر عام اور مفید چیز کو آسان کردیتا ہے، اسی طرح ذکر کو بھی آسان کردیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے''۔ (ترمذی)

یہ کلمہ اذکار میں سب سے افضل ہے، اسی لیے تصوف کے حلقوں میں جو زیادہ تر کرایا جاتا ہے وہ یہی ہے، اور اس کو خاص انداز میں بھی کردیا جاتا ہے، لیکن اس میں جو گردن وجسم کا ہلانا اور سر کا جھکانا ہے یا اسی طرح کی اور چیزیں، یہ سب تدابیر کی طرح ہیں، یہ اصل نہیں، لیکن اب معاملہ الٹا ہوگیا ہے، سب لوگ انہیں تدابیر میں الجھ گئے، اصل بھول گئے، ''لا الہ الا اللہ'' کی ضرب لگانے کا یہ فائدہ ہے کہ ہمارے اندر جو لاابالی پن ہے اور غفلت ہے، وہ دور ہو، جیسے آدمی بہرا ہوتا ہے، اس کو بلانا ہوتا ہے تو زور سے

بلاتے ہیں، یہ اسی طرح ہم بہرے ہیں تو دل کو جگانے کے لیے دل پر ضرب لگانی پڑتی ہے اور زور سے کہنا پڑتا ہے، اگر ہمارا دل بیدار ہو تو ان تمام چیزوں کی ضرورت نہیں ہی نہیں، خود بخود وہ چیزیں حاصل ہو جائیں گی، اسی لیے عربوں اور عجمیوں میں فرق ہے، عربوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ براہ راست عربی سمجھتے ہیں، اور صبح و شام اتنا اللہ کا نام لیتے ہیں کہ ان کا ذکر خود ہو جاتا ہے، اور ہم لوگ گونگے عجمی ہیں، ہمارے منھ سے سلام تک نہیں نکلتا، یا تو پان کھاتے ہوتے ہیں تو منھ بند ہے، ہاتھ ہلا رہے ہیں، اشارہ کر رہے ہیں، حالانکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے، صبح سے شام تک کی دعائیں ان کو یاد ہیں اور عربی جاننے کی وجہ سے سمجھ کر وہ اس کو کہتے ہیں، اسی لیے ان کو خاص طور پر تسبیحات کی ضرورت نہیں، اور ہم کو تسبیحات کی ضرورت پڑتی ہے، ہم چلتے پھرتے نہیں کر پاتے تو ایک جگہ بیٹھ کر کرنا پڑتا ہے۔

صرف زبان سے ذکر کافی نہیں، بلکہ اس کی معرفت بھی ملنا چاہیے، لوگوں نے آج الفاظ کا نام ذکر رکھ دیا ہے، پتہ چلا کہ دس دس ہزار تسبیحیں ہیں، بیٹھ کر سر ہلا رہے ہیں، کوئی فائدہ اس کا نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ وہ غفلت سے کہہ رہے ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: جب آدمی سبحان اللہ (اللہ سب عیب سے پاک ہے) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً حکم دیتا ہے، اس بندے کے عیب دور کر دو، اور جب کہا: الحمد للہ (سارے کمالات اور تعریفات آپ کے لیے ہیں) تو اللہ نے اوپر سے کہا، اس کو کمال دو، اب جس درجہ میں ہمارا سبحان اللہ الحمد اللہ ہوگا اسی درجہ میں ہمارے عیب دور ہوں گے گویا سبحان اللہ عیبوں کو دور کرنے کا ورد ہے، حدیث میں آتا ہے ہر نماز کے بعد ''سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر'' دس دس دفعہ کوئی پڑھ لے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، لیکن شیطان بھلا دیتا ہے، کوئی اس کی پابندی نہیں کر پاتا۔ (ابوداؤد)

ذکر کوئی معمولی چیز نہیں، بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، لیکن ذکر ذکر کی طرح ہونا چاہیے، زبان سے جب ذکر ہو تو دھیان بھی ہو اور جب دھیان ہوگا، تو کام بنے گا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ بعض دفعہ آدمی پر جب حملہ کا زور کا ہوتا ہے، تکلف سے کام لینا پڑتا ہے، اسی لیے قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا﴾ (الأعراف: ۲۰۱) (یقیناً پرہیزگاروں کا حال یہ ہے کہ جب بھی ان پر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو کر بھی گزرتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں) سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اہتمام و مبالغہ اور تکلف سے کام لے کر تفعل میں اہتمام بھی ہے، اور تکلف بھی ہے، جب شیطان حملہ آور ہو تو نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر ہو، اور اللہ کا نام لیجیے، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے، تو شیطان بہت بری طرح بھاگتا ہے، یعنی اس کی گت بن جاتی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ اذان دینے والے کے ذہن میں ہو یا نہ ہو لیکن لفظ جو اس سے ٹکرا رہے ہیں، تو اس کی حالت خراب ہو جاتی ہے تو اس لیے تکلف سے کام لے کر ذکر کیا جائے اور اللہ کا نام لیا جائے تو شیطانی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

قرآن کے بہت سے اوصاف ہیں، قرآن، فرقان، شفاء، کفایہ وغیرہ ہے، اسی طرح اس کو ذکر بھی کہا گیا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹) (ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ قرآن کی تلاوت ہم اس انداز سے کریں کہ ذکر کا غلبہ ہو تو ہماری حفاظت ہوگی، یہاں ''نزلنا القرآن'' یا ''نزلنا الفرقان'' نہیں کہا گیا بلکہ ''نزلنا الذکر'' کہا گیا کیوں کہ قرآن میں سب سے بڑی خصوصیت ہے وہ ذکر کی ہے، ہر آیت میں اللہ کا نام آتا ہے، اور اللہ نے اپنی یاد کے سلسلہ کی جو آیات ذکر کی ہیں، وہ بہت ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن سراپا ذکر ہے تو جب ذکر کے طور پر قرآن کی تلاوت کریں گے تو ہماری حفاظت ہوگی، صوفیاء اور بزرگان دین نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ قرآن سے جو ترقی ہوتی ہے، وہ اذکار سے نہیں ہوتی، اذکار سے ہونے والی ترقی محفوظ نہیں، اور قرآن سے ترقی کرنے والے کبھی واپس نہیں ہوتے، اور ذکر سے ترقی کرنے والا گر جاتا ہے، اس کی مثال بھی دی کہ بالو جمع کر کے دیوار بنائیں وہ ہے ذکر کی ترقی، اور اینٹ کی دیوار وہ ہے قرآن کی ترقی، بالو کو جمع کرنا اور بنانا آسان ہے، روڑیاں اور اینٹ سے بنانا اور چننا مشکل ہے اور جو مشکل ہوتا ہے وہ مضبوط ہوتا ہے۔

باہمی تعلقات

اسلامی ہدایات کی روشنی میں

مولانا اسرار الحق قاسمی

ایک ملک اور معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کو بہت سے لوگوں اور الگ الگ مزاج و عادات رکھنے والے انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے، ہر شخص کی سوچ الگ ہوتی ہے اور ہر انسان کا زندگی گذارنے کا معیار اور طریقہ کار علیحدہ ہوتا ہے، ایک انسان فطری طور پر نرم دل ہوتا ہے، جب کہ دوسرے انسان کے مزاج اور طبیعت میں نسبتاً شدت اور تلخی ہوتی ہے، کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسے ہر وقت دوستوں کا ایک مجمع چاہیے، جب کہ کچھ لوگ تنہائی پسند ہوتے ہیں، الغرض اس دنیا میں بسنے والا ہر انسان کسی نہ کسی اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، مگر اس اختلاف کے باوجود ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ہی زندگی گذارنا ہوتا ہے، ایسے میں ہمیں ان اصولوں اور اخلاقی ضابطوں کو اپنانا چاہیے جو ہمارے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہوں اور اختلافِ مزاج و فکر کے باوجود ہماری آپسی محبت و مودت کو برقرار اور مضبوط رکھنے کی جانب رہنمائی کرتے ہوں، اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات نہایت واضح بھی ہیں اور قابلِ قدر بھی، اسلام نے باہمی تعلقات کو بنائے رکھنے اور انہیں مضبوط کرنے کے لیے نہایت ہی قیمتی اصول بتائے ہیں، دینِ اسلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ تمام انسانوں کو ایک انسانی وحدت کی لڑی میں پروتا ہے، چاہے وہ کسی جنس، مذہب، نسل یا رنگ سے تعلق رکھتے ہوں، اس انسانی وحدت کی اصل بنیاد اور طبیعت ایک ہی ہے، اسی بنیاد پر اسلام نے ایسے اصول و اقدار کی بنیاد پر لوگوں کے مابین تعلقات قائم کئے ہیں جو الفت و رحمت اور ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتنے کی تعلیم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْراً وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْباً﴾ (النساء: ۱)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک انسان سے پیدا کیا (یعنی انسان اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور ناطہ توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

مزید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳) (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کی اصلیت بتاتے ہوئے یہ تلقین کی ہے کہ آپسی تعلقات جب قائم ہو جائیں تو انہیں نبھانا چاہیے اور انہیں توڑنے سے گریز کرنا چاہیے، جب کہ دوسری آیت میں بھی اسی چیز کو ذرا اور وسیع معنوں میں بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تمہاری مختلف برادریاں اور قبائل اس لیے نہیں ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اپنی برتری جتائے اور بے جا فخر کرے، بلکہ یہ باہمی جان پہچان اور تعلقات کو فروغ دینے کے لیے ہیں، البتہ تم میں بہتر کون ہے اور برا کون ہے، اس کا تعلق دل سے ہے کہ جس کا دل جتنا متقی پرہیزگار ہوگا اور عند اللہ مقرب ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمارے سامنے خطبہ حجۃ الوداع دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! بلاشبہ تمہارا رب ایک ہی ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہی ہے، سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، مگر صرف تقوی کی وجہ سے، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم و باعزت

وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، سن لو! کیا میں نے پہنچا دیا؟ سب نے جواب دیا: ہاں، اے اللہ کے رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں موجود لوگ (یہ پیغام) غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں۔ (شعب الایمان: ۴۷۷۴) اس تاریخی خطبہ میں آپ ﷺ نے جس چیز پر زور دیا، وہ انسانی مساوات و برابری ہے اور اسی بنیاد پر لوگوں سے تعلقات بنانے اور انہیں برقرار رکھنے کی ترغیب و تعلیم دی، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، اس مسلمان سے کہیں بہتر ہے جو نہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور نہ ہی ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ (ترمذی: ۲۵۰۷)

قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں غور و فکر کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انسانوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہے، اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر لوگوں کے ساتھ تعلقات کی عمارت قائم ہونی چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ: ۲)

(نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو)

انہیں اخلاق عالیہ اور بلند اقدار کے ساتھ مسلمانوں نے ماضی میں اپنی ہم عصر اقوام و ملل کے ساتھ معاملہ کیا، اور اسلام کی خالص تعلیمات کی روشن تصویر ان کے سامنے پیش کی، ایسے اسلام کی جو رحمت و محبت، الفت و اخوت، ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے اور حل طلب مسائل میں ایک دوسرے کا موقف سننے اور جاننے کی ہدایت دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے دوسروں کی صلاحیتوں، ان کے علوم و فنون اور کامیابیوں سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو بھی فائدہ پہنچایا، اور محبت و ہمدردی اور امن و سلامتی کا پیغام عام کیا، مسلمان اس دنیا میں دوسروں سے الگ تھلگ اور تنہا نہیں رہ سکتے، دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور باہمی معاملہ کرنے کے ذریعہ ہی وہ کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں، اور اسی کے نتیجہ میں انسانیت خیر اور نفع سے فیضیاب ہو سکتی ہے، انسان صرف اپنی ذات تک منحصر رہنے کی صورت میں نہایت کمزور ہے جب کہ وہ دوسرے کے ساتھ مل کر قوی اور طاقتور بن جاتا ہے، خاص طور پر مصیبت و آزمائش کے مواقع پر ایک مسلمان کو اپنے ایمان کے تقاضے کی بنیاد پر مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف کو دور کرنے اور ان کی مدد کرنے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے، یہ ایک افضل ترین عمل اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مغفرت کو واجب کرنے والے اعمال میں سے یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کی زندگی میں خوشی اور سرور داخل کرو، اس کی بھوک کو ختم کرو اور کی مصیبت کو دور کرو۔ (مسند الحارث: ۹۱۲)

ہمارے ذہن میں زندگی کے یہ اصول ہر وقت رہنے چاہئیں کہ زندگی لینے اور دینے، دوسروں کو نفع پہنچانے اور ان کی تکلیف دور کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرنے کا نام ہے، دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اور خیر کے کاموں میں ان سے تعاون کرنا ایمان کا تقاضہ ہے، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون انسانیت کے لیے بہت سے فوائد کے حصول اور محبت و رواداری کا ماحول سازگار کرنے کا ذریعہ ہے، انہیں اسلامی اصول اور ضابطوں کے تحت ہم اپنے اہل خاندان، دوسرے مسلمان اور برادران وطن کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کریں، ان شاء اللہ یہ معاشرے کے بھی نہایت مفید ہوگا اور ملک و قوم کی مجموعی ترقی و خوش حالی میں کلیدی رول ادا کرے گا۔

برائے مطالعہ
تجہیز و تکفین
قرآن وسنت کی روشنی میں
صفحات: 88 قیمت:-/70 روپے
از:- مفتی راشد حسین ندوی
رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات
موبائل: 9919331295

سیرت نبوی ﷺ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة: ۱۲۸)

(یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آچکے، تمہاری تکلیف جن کو بہت شاق گزرتی ہے تمہاری (بھلائی) کے بہت خواہش مند ہیں ایمان والوں کے لیے تو بڑے شفیق، بہت مہربان ہیں)

تمام انسانیت پر یہ خاص اللہ کا کرم ہے کہ اس نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو آخری نبی بنایا، دنیا جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور حجاز والوں کے لیے یہ خصوصی انعام ہوا کہ نبی کا انتخاب ان کے خاندان میں کیا گیا، یہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا صدقہ ہے کہ حجاز حجاز مقدس قرار پایا اور پھر آپ ﷺ کے ذریعہ سے جو جماعت تیار ہوئی جس کو دنیا میں پیغام رب پھیلانا تھا وہ ایسی مقدس جماعت قرار پائی کہ ان میں کا ایک ایک فرد آسمان ہدایت کا ستارہ بتایا گیا، یہ وہ جماعت صحابہ تھی جس کے سامنے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ تھا، ان میں وہ بھی تھے جو ابتداء سے رفاقت کے شرف سے باریاب تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک گوشہ اپنی زندگی میں جذب کیا تھا۔

عالم انسانیت کی ہدایت وفلاح کے لیے اللہ نے جب جب نبی بھیجا اسی قوم میں بھیجا جس قوم کی ہدایت مطلوب تھی، تاکہ اپنائیت کی کشش رغبت پیدا کرے اور بیگانگی راستہ میں رکاوٹ نہ بنے، تاکہ سابقہ زندگی کا ریکارڈ سامنے ہو اور اس کی تحقیق کی ضرورت نہ پڑے، آنحضور ﷺ کی بعثت مکہ مکرمہ میں ہوئی، آپ ﷺ کی سچی زندگی کے روز وشب پوری قوم کے سامنے تھے، نبوت سے پہلے ہی صادق وامین آنحضور ﷺ کا لقب تھا، ایک ایک فرد آپ کی دیانت وامانت اور عفت وپاکیزگی پر پہلے ہی ایمان رکھتا تھا، پوری قوم کے لیے یہ ایک نہایت مثبت پہلو تھا، جس میں بہت بڑی کشش تھی، آپ ﷺ نے جب دعوت کا باقاعدہ آغاز فرمایا تو اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا، کلام الٰہی میں آپ کی زبانی یہ کہلوایا جارہا ہے:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (یونس: ۱۶)

(تو اس سے پہلے تمہارے بیچ ایک عمر گزار چکا ہوں کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے)

آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جمع فرمایا، حضور ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک ورق تمام لوگوں کے سامنے تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے پہاڑ پر چڑھ کر سوال فرمایا کہ پہاڑ کی دوسری سمت جدھر تم نہیں دیکھ رہے ہو اور میں دیکھ رہا ہوں اگر میں کہوں کہ ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم تسلیم کروگے؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں، آپ ﷺ کی پوری زندگی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، ہم کیوں نہ تسلیم کریں، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

"انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید" (بخاری: ۴۷۷۰)

یہ ﴿رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ (تم ہی میں سے ایک رسول) کا مظہر تھا، کسی کے لیے گنجائش نہ تھی کہ وہ آپ کی زندگی پر انگلی رکھ سکے، اس پر کوئی تبصرہ کرسکے کہ آپ ﷺ کی پوری گذشتہ زندگی ان لوگوں کے سامنے تھی، انکار کی یہ شکل تو ممکن نہ تھی، اس لیے نہ ماننے والوں میں سے ایک بھی آپ ﷺ کی مبارک زندگی پر کوئی نقطہ نہ رکھ سکا، پھر آنحضور ﷺ کی دوسری صفت اس میں جو بیان کی گئی ہے وہ تمام لوگوں کے لیے انتہائی شفقت ورحمت ہے، ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ صاف کہا جارہا ہے کہ تمہاری کوئی بھی تکلیف ان پر نہایت شاق ہے، اس کی مثالیں گذشتہ مضامین میں جابجا گذر چکی ہیں کہ امت کے لیے نہ آپ کو آخرت کی تکلیف برداشت تھی اور نہ دنیا کی، آپ ﷺ نے ایسی تعلیمات امت کو عطا فرمائیں جو دونوں جہان کے لیے رحمت ونجات کا ذریعہ ہیں، دنیا میں بھی کسی کی تکلیف کو دیکھ کر آپ ﷺ بے چین ہوجاتے تھے، قوم ربیعہ کے وفد کی آمد کے موقع پر ان کی مفلوک الحال زندگی دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے ان کے لیے باقاعدہ لوگوں کو متوجہ کیا اور جب ان کا انتظام ہوگیا تو خوشی سے آپ کا چہرۂ مبارک دمکنے لگا۔

نمازوں کی فرضیت کے موقع پر بھی آنحضور ﷺ محض امت

کی شفقت کے خیال سے بار بار بارگاہ الٰہی میں تشریف لے جاتے رہے، یہاں تک پچاس نمازوں کی جگہ صرف پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی اور بالائے کرم یہ کہ اجر پچاس نمازوں کا باقی رکھا گیا، آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ اور آپ کی تعلیمات و ارشادات اس کا بہترین مظہر ہیں۔

آپ ﷺ نے خود شدید تکلیفیں برداشت فرمائیں، حضرات صحابہ کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا گیا، یہاں تک کہ ان کے زبانوں سے یہ الفاظ نکلے کہ اللہ کے رسول آپ ان کے لیے بددعا کیوں نہیں فرماتے، مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ دعائیں دیں، صرف اس لیے کہ شاید یہ لوگ راستہ پر آجائیں اور آخرت کی تکلیف سے بچ جائیں، ورنہ ان کی نسلیں ایمان لانے والی ہوں گی۔

ساری انسانیت کے لیے آپ ﷺ کا دل کڑھتا تھا، اور دنیا اور آخرت کی کوئی بھی تکلیف کسی کو پہنچے لگتا تھا کہ وہ تکلیف آپ کو پہنچ رہی ہے۔

کسی کا انتقال ہو جاتا تو آپ ﷺ اس کے گھر والوں کے لیے بے چین ہو جاتے اور فرماتے کہ اس نے جو کچھ جائیداد اور مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کا ہے لیکن اگر کوئی ضرورت مند ہے تو اس کی کفالت میرے ذمہ ہے، الفاظ یہ ہیں:

"أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم من ترك مالا فلأهله ومن ترك دينا أو ضياعا فالي وعلي"

(سنن أبي داؤد: ٢٩٥٦)

چونکہ امت کی ناکامی اور آخرت میں افراد امت کی رسوائی کا آپ ﷺ کو غم تھا اور ایسی کڑھن تھی کہ قرآن مجید اس کی گواہی دیتا ہے، اس لیے امت کے ایک ایک فرد کے لیے آپ کو ہدایت کی فکر تھی، اور فکر بھی ایسی جس کو قرآن مجید میں حرص سے تعبیر کیا گیا ہے، ﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُم﴾ (وہ تم پر حریص ہیں) آپ کو شدید خواہش ہے کہ سب ہدایت پر آجائیں، یہ ایسی شدید خواہش تھی کہ قرآن مجید آپ ﷺ کو بار بار تسلی دیتا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ سجدہ میں پڑ گئے اور "أمتي أمتي" کے الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر تھے۔

آپ ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کی ایسی تڑپ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے بار بار تسلی کے کلمات فرمائے اور یہ وضاحت بھی فرمادی کہ ہدایت دینا تو اللہ کا کام ہے، آپ کا کام تو بات پہنچا دینا ہے۔

﴿إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغ﴾ (الشوریٰ: ٤٨) (آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے)

آیت مذکورہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان رحمت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد ہوا ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ایمان والوں کے لیے انتہائی شفیق اور مہربان، حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے احوال دریافت فرماتے رہتے تھے، ہر ایک کی فکر فرماتے، ان کی ضرورتوں کا بندوبست فرماتے۔

محترم قارئین کی خدمت میں

مکرمی!

اس شمارہ کے ساتھ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ براہ کرم اپنا سالانہ زرِتعاون جلد ارسال فرمادیں تاکہ یہ رسالہ پابندی سے آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے، بصورت دیگر اگلا شمارہ بھیجا نہیں جاسکے گا۔

اگر آپ کا زرتعاون جمع ہے تو براہ کرم اس ادارتی نوٹ کو نظر انداز فرمائیں۔ **(ادارہ)**

تفصیلات حسب ذیل ہیں:

پیام عرفات (اردو) فی شمارہ: ۱۰/روپے　سالانہ: ۱۰۰/روپے

عرفات کرن (ہندی) فی شمارہ: ۱۰/روپے　سالانہ: ۱۰۰/روپے

رابطہ:-

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

Dare Arafat, Takiya Kalan,

Raebareli (U.P.) India

(Pin: 229001) Cell : 9792646858

E-Mail: markazulimam@gmail.com

Website: www.abulhasabalinadwi.org

نماز کی مکروہات

مفتی راشد حسین ندوی

کچھ امور ایسے ہیں جن کو نماز کی حالت میں کرنے سے احادیث میں روکا گیا ہے، پھر ان میں سے بعض کے ارتکاب سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، ان کا ذکر ہم پیچھے کرچکے ہیں اور کچھ امور ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن نماز کے ثواب اور برکات میں کمی واقع ہوجاتی ہے، ان کو مکروہات کہا جاتا ہے، لہٰذا ان امور کے ارتکاب سے بھی بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ نماز کی برکات پورے طور پر حاصل ہوسکیں۔

پھر مکروہات دو طرح کی ہیں:

(۱) مکروہ تحریمی (۲) مکروہ تنزیہی۔

مکروہ تحریمی:- وہ ہے جس کی ممانعت کی دلیل ظنی الثبوت یا ظنی الدلالہ ہو یا جس کے کرنے سے کسی واجب کا ترک لازم آتا ہو، اگر نماز کی حالت میں کسی مکروہ تحریمی فعل کا ارتکاب ہوجائے تو نماز کا اعادہ کرنا شرعاً واجب ہوتا ہے۔

مکروہ تنزیہی:- وہ ہے جس کے کرنے سے کسی مستحب اور افضل فعل کا ترک لازم آتا ہو، اس کے ارتکاب سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا، لیکن نماز دہرالینا مستحب ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۴۷۲-۵۳۶، ہندیہ: ۱/۱۰۹)

ہم پہلے ان امور کو درج کرتے ہیں جن کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے، بعد میں ان شاء اللہ ان امور کا ذکر کیا جائے گا جو مکروہ تنزیہی ہیں۔

۱- نماز کے اندر "سدل"، مکروہ تحریمی ہے، "سدل" کے لفظی معنی ارسال یعنی کپڑے کو لٹکانے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں سدل یہ ہے کہ نماز کی حالت میں چادر یا رومال سر یا دونوں کندھوں پر ڈال لے، اور اس کے دونوں سروں کو دوسری جانب نہ لپیٹے، یا کوٹ اور شیروانی جیسی چیزوں کو اس طرح پہنے کہ ہاتھ اس کی آستینوں میں داخل نہ کرے۔ (شامی: ۱/۴۷۲-۴۷۳) اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے سدل سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

۲- اسی طرح سجدہ کے لیے جاتے ہوئے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لیے سمیٹنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے، اسی میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آستین یا دامن چڑھاتے ہوئے نماز میں داخل ہو، اگر وضوء کرنے کے بعد آستین چڑھی ہوئی تھیں اور اسی حالت میں رکعت پانے کے لیے نماز میں داخل ہوگیا تو بہتر یہ ہے کہ عمل قلیل کے ذریعہ آستین ٹھیک کرلے۔ (شامی: ۱/۴۷۳)

۳- نماز پڑھنے کی حالت میں بغیر ضرورت بدن یا کپڑوں یا ڈاڑھی وغیرہ سے کھلواڑ کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر کہیں کھجلی ہو رہی تھی اور عمل کثیر کے بغیر کھجلالیا، یعنی صرف ایک ہاتھ استعمال کرکے ایک یا دو بار ایسا کرلیا تو کوئی حرج نہیں، اور اگر دونوں ہاتھ سے کھجلایا یا مسلسل تین بار یا اس سے زیادہ کھجلایا تو عمل کثیر ہوجائے گا اور نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/۴۷۳، ہندیہ: ۱/۱۰۵)

۴- پیشاب، پاخانہ یا ریاح کے شدید تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اگر نماز شروع کرنے سے پہلے یہ تقاضے ہوں تو نماز شروع ہی نہ کرے اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد بھی اس طرح کا تقاضہ پیدا ہوگیا تو اگر نماز کا وقت باقی ہے تو اس کو چاہیے کہ نماز توڑ دے اور ضرورت سے فارغ ہوکر سکون سے نماز پڑھے، خواہ جماعت ہی کیوں نہ چھوٹ جائے، البتہ اگر نماز کا وقت چلے جانے کا خوف ہے تو اسی طرح نماز پڑھ لے۔ (شامی: ۱/۴۷۴)

۵- مرد کے لیے یہ بھی مکروہ تحریمی ہے کہ بالوں کی چوٹیاں بنا کر نماز پڑھے یا عورتوں کی طرح سر کے پچھلے حصہ میں بالوں کو عورتوں کی طرح لپیٹے، لیکن یہ کراہت عورتوں کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس عمل سے خاص طور سے مردوں کو روکا گیا ہے۔ (شامی: ۱/۴۷۴، ہندیہ: ۱/۱۰۶)

۶- نماز پڑھنے کے دوران انگلیاں چٹخانا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ مسلم اور ابن ماجہ میں آنحضرت ﷺ کی حدیث وارد ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: نماز پڑھنے کی حالت میں انگلیاں مت چٹخاؤ، نماز کے انتظار میں انگلیاں چٹخانے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ نماز کا انتظار کرنے والا بھی نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہوتا

ہے، اور حدیث شریف میں صراحت سے آتا ہے کہ اس کو نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے لے بھی انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے، البتہ ان تینوں مواقع کے علاوہ کسی ضرورت سے انگلیاں چٹخانا منع نہیں ہے۔ (شامی:۱/۴۷۵)

اوپر جن جگہوں میں انگلیاں چٹخانے کی کراہت کا ذکر کیا گیا ہے، ان تمام جگہوں میں ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ (شامی:۱/۴۷۵)

۷- نماز پڑھنے کی حالت میں سنت طریقہ پر ہاتھ باندھنے کے بجائے کمر پر ہاتھ رکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں نماز پڑھنے کی حالت میں ''خصر یا اختصار'' سے منع کیا گیا ہے، اس کے کئی معانی منقول ہیں جن میں سب سے مشہور معنی کمر پر ہاتھ رکھنے کے ہیں۔ (شامی:۱/۴۷۵)

۸- نماز پڑھنے کے دوران چہرہ کو قبلہ سے ہٹا کر ادھر ادھر پھیرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز میں التفات سے بچو، اس لیے کہ نماز میں التفات (ادھر ادھر چہرہ پھیرنا) ہلاکت ہے، (الحدیث) بخاری کی روایت میں فرمایا گیا کہ اس طرح کرنا درحقیقت شیطان کا بندہ کی نماز میں سے اچک لے جانا ہے، خیال رہے کہ اگر چہرہ کے ساتھ سینہ بھی پھر جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، جب کہ چہرہ پھیرے بغیر اگر گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھے تو ضرورت کے وقت جائز ہے اور بلاضرورت مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی:۱/۴۷۵)

۹- نماز میں کتے کی طرح سرین ٹیک کر اور پیر کھڑے کر کے بیٹھنا، اسی طرح مرد کے لیے سجدہ کی حالت میں کلائیوں کا زمین پر بچھا لینا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سجدہ میں ہاتھ بچھانے کی ممانعت کو مرد کے لیے خاص کیا گیا ہے۔ (مسلم) لہٰذا عورت کے لیے ہاتھ بچھانے نہ صرف یہ کہ مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کو سجدہ کی حالت میں ہاتھ بچھانے ہی کا حکم ہے۔
(شامی:۱/۴۷۵-۴۷۶، بدائع الصنائع:۱/۵۰۵)

۱۰- اگر کوئی شخص قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہوا ہے اور اس کا چہرہ نماز پڑھنے والے کی طرف ہے تو عین اس کے سامنے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ بخاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے اور بزاز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے اس کو نماز دہرانے کا حکم دیا۔ (شامی:۱/۴۷۶، ہندیہ:۱/۱۰۸)

۱۱- کسی چادر سے اپنے پورے جسم کو سر سے لیکر پیر تک اس طرح لپیٹ لینا بھی مکروہ تحریمی ہے کہ اس سے ہاتھ بھی نہ نکالا جا سکتا ہو، اس لیے کہ حدیث شریف میں ''اشتمال صماء'' سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تشریح علماء نے یہی کی ہے۔ (شامی:۱/۴۸۲)

۱۲- ہر ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جہاں نجاست کا شبہ ہو، جیسے حمام، بیت الخلاء وغیرہ، اسی طرح اگر قبرستان میں اس طرح نماز پڑھے کہ سامنے قبریں ہوں تب بھی مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی:۱/۴۸۴) اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا: گھورے پر، جانور ذبح کرنے کی جگہ، قبرستان میں، چالو راستے پر، حمام میں، اونٹ کے باڑے میں اور بیت اللہ کے اوپر۔ (ترمذی)

۱۳- اوپر کی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ چالو راستہ پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ (شامی:۱/۴۷۲)

۱۴- کسی عذر کے بغیر تنہا پیشانی پر سجدہ کرنا، اور ناک کو زمین پر نہ ٹیکنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ (مراقی الفلاح:۱۹۶)

۱۵- نماز میں بلا آواز ہنسنا مکروہ تحریمی ہے، ہلکی آواز سے ہنسے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور بلند آواز سے ہنسے تو نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ (شامی:۱/۱۰۷، البحر الرائق:۲/۲۰)

۱۶- امام کا تنہا ایک فٹ یا اس سے زیادہ اونچی جگہ پر بلا عذر کھڑا ہونا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ مستدرک حاکم اور دار قطنی میں آنحضرت ﷺ سے اس کی ممانعت منقول ہے، البتہ اگر کوئی ڈر ہے یا امام کے ساتھ مقتدیوں میں سے بھی ایک دو آدمی کھڑے ہوجائیں تو کراہت نہیں رہے گی۔ (شامی:۱/۴۷۸)

............(باقی صفحہ نمبر ۱۶ پر)

اسلامی لباس

عبد السبحان ناخداندوی

اسلام اپنی تعلیمات میں پوری انسانیت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ لباس سے متعلق بھی اس نے کچھ دائمی و آفاقی اصول رکھے ہیں، ان اصولوں کو سامنے رکھ کر کوئی بھی قوم اپنی اپنی پسند کا لباس اختیار کر سکتی ہے۔ اسلام نے لباس کی کوئی خاص قسم یا ہیئت متعین نہیں کی ہے، اس بنا پر ہر دور میں ہر قوم کے لیے (جو مسلمان ہو) اسلامی اصول کے لحاظ سے شائستہ اور تہذیب پر مبنی لباس اختیار کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

اسلامی لباس کے بنیادی اصول یہ ہیں:

۱- لباس ساتر ہو، یعنی مرد و عورت کے لیے جسم کے جن حصوں کو ڈھانپنا ضروری ہے اسے مکمل ڈھانپنے والا ہو، یہی لباس کا اصل مقصد ہے، اسی سے انسان جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے، لباس اگر قابل ستر حصوں کو بھی نہ ڈھانک سکے تو اس میں اور بے لباسی میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ ﴿يَا بَنِيْٓ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْءٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾ ''اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمھاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور تمھارے لیے باعث زینت بھی ہے''۔

۲- ہر قسم کے میل کچیل اور گندگی سے پاک ہو، قرآن کریم کی مبارک آیت ''وثيابك فطهر'' (آپ اپنے کپڑوں کو پاک وصاف رکھیں) اس کی تاکید کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاک وصاف بندے بہت پسند ہیں، ﴿والله يحب المطّهّرين﴾ (خوب پاک وصاف رہنے والے اللہ کو بہت پسند ہیں)۔ لباس کو نجاست سے پاک رکھنا ضروری، اور میل کچیل سے صاف رکھنا شریعت کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے۔

۳- ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، یہ مردوں کے لیے تکبر کی علامت ہے، اس سے تکبر پیدا ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، ارشاد ہے: لا ينظر الله يوم القيامة إلىٰ مَن جرّ إزارهٗ بَطَرًا۔ ''قیامت کے دن وہ شخص اللہ کی نظر کرم سے محروم رہے گا جو فخر و غرور میں اپنے ازار کو لٹکائے''۔

اسی طرح لباس اس قدر باریک و مہین بھی نہ ہو کہ اندر کے اعضاء نظر آئیں، یہ بے لباسی کی طرح ہے۔ اسی طرح اتنا چست بھی نہ ہو کہ پوشیدہ رکھنے کے لائق اعضاء کی ساخت نمایاں ہونے لگے۔ ایک دفعہ حضرت اسماءؓ نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کا لباس نسبۃً باریک و مہین تھا، آپ (ﷺ) نے منہ پھیر لیا، اور ان کو نصیحت فرمائی کہ اس طرح کا لباس مناسب نہیں ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: رُبَّ كاسيةٍ في الدنيا عارية في الآخرة (یعنی دنیا میں کچھ لباس پہننے والیاں ایسی ہوں گی جو آخرت میں بے لباس ہوں گی)۔ اس حدیث کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو لباس پہن کر بھی بے لباس معلوم ہوتی ہیں، ایسی عورتیں آخرت میں سزا کی مستحق ہوتی ہیں۔

یہ عام عقل میں آنے والی بات ہے کہ اللہ نے لباس کو بدن ڈھانپنے کا ذریعہ بنایا ہے، اسی کو اگر کوئی بدن نمایاں کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو یہ اللہ کے حکم کے ساتھ مکاری ہے، جو اللہ کو گوارا نہیں۔

اسلام کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ مرد و عورت کے لباس میں تفریق کا خیال رکھا جائے، ایک صنف دوسری صنف کا لباس نہ پہنے، یہ مضحکہ خیز بات ہے، اسلام لباس کے ذریعے سنجیدگی اور وقار کو فروغ دیتا ہے، لباس اس کے نزدیک تماشا نہیں ہے کہ آدمی ایک لطیفہ بن جائے، مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس پہنیں، اسلام اسے انحراف فطرت کی ایک شکل قرار دیتا ہے، نبی اکرم (ﷺ) نے ایسوں پر لعنت فرمائی ہے، اس لیے کہ اس طرح کے لوگ صاف ستھرے معاشرے کو پورا ڈرامہ بنا دیتے ہیں، مردوں کی مردانگی اس سے متاثر ہوتی ہے، اور عورت کی نسوانی لطافت مردانہ لباس کی وجہ سے کرختگی میں بدل جاتی ہے، ظاہر باطن پر اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

یہ لباس سے متعلق اسلام کی صاف وشفاف تعلیمات ہیں، جن کو اگر صحیح طریقہ اور اچھے جذبہ سے اپنایا جائے تو یقینی بات ہے کہ ایک صاف ستھرا معاشرہ وجود میں آئے گا، اور موجودہ غیر اسلامی تہذیب نے جو بے ہنگم لباس دنیا کو دیا ہے، بلکہ یوں کہیں کہ لباس کے نام پر جس طرح بے لباسی کی لہر چل پڑی ہے، اس کا خاتمہ بھی ان ہی پاکیزہ تعلیمات سے ہو سکتا ہے: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ''تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے''۔

جرم ضعیفی کی سزا

مولانا عزیز الحسن صدیقی (غازی پور)

بلاشبہ آزادی سے پہلے بھی ہندوستانی مسلمانوں کو فرقہ پرستوں کی یورش کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن آزادی کے بعد فرقہ پرست تنظیموں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا ہے، حکومت خواہ کسی پارٹی یا دھڑے کی ہو، دستور و آئین اور قانون کی دفعات کچھ بھی کہتی ہوں مگر سرکاری مشینری پر قبضہ ہندوتو وادیوں کا ہی رہتا ہے اور وہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں، اقلیتوں، دلتوں اور کمزور طبقات کو دبا کر اور کچل کر رکھنے کی پالیسی ہر دور میں رہی ہے، چانکیہ نے حکمرانی کے جو اصول وضع کیے تھے ان پر پورا عمل ہوتا رہا ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب کہ ملک میں اسپین جیسے حالات پیدا ہو رہے تھے اور مسلمان ترک وطن کر رہے تھے، علماء نے انہیں استقامت کا درس ہی نہیں دیا، بلکہ ان کے قدم جمانے کی بھرپور کوشش بھی کی، چونکہ ملک کی آزادی کی تحریک میں علماء نے قائدانہ رول ادا کیا تھا اور بے پناہ قربانیاں دی تھیں، اور آزادی کے بعد عرصہ دراز تک اس ملک کے درو بست پر قبضہ اس طبقہ اور گروہ کا رہا جو علماء کی قربانیوں سے آگاہ تھا، اس لیے علماء کی طرف سے پیش کئے جانے والے کچھ مطالبات پورے ہو جاتے تھے، آزادی کی تحریک سے جڑے ہوئے بہت سے سیاسی لیڈر جو حکومت میں دخیل تھے ان کی آنکھوں میں ابھی مروت باقی تھی، اسی لیے کبھی کبھی وہ مسلمانوں کے آنسو پونچھ دیا کرتے تھے جب کہ آج حالات بالکل مختلف ہیں، فرقہ پرست تنظیموں نے اسپین اور اسرائیل کا دورہ کر کے اور وہاں کے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لے کر مسلمانوں کو رسوا اور ذلیل کرنے اور دہشت گرد ثابت کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے، اسپین میں لگ بھگ آٹھ سو برس تک اسلام کا پرچم لہراتا رہا، لیکن اچانک کیا ہوا کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلنا پڑا، اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واشگاف ہو کر ہمارے سامنے آجائے گی کہ جس ملک میں مسلمانوں نے حوصلہ مندی کے ساتھ قدم رکھا تھا اور اس کو سجایا اور سنوارا تھا، علم کا مرکز بنایا تھا، عظیم الشان مسجدیں تعمیر کی تھیں، جہاں صد فیصد لوگ تعلیم یافتہ تھے، جہاں یورپ کے لوگ آکر فلسفہ و سائنس کا درس لیتے تھے، جب مسلمان اپنے منصب سے پھر گئے، داد عیش دینے لگے اور بلند و بالا عمارتیں اور مجسمے کھڑے کرنے لگے دین کی دعوت دینا بھول گئے، آپس میں دست و گریباں ہو گئے، حکمراں جوڑ توڑ اور محلاتی سازشوں کے شکار ہو گئے، علماء سرکاری تنخواہوں اور مناصب پر فخر کرنے لگے تو عیسائیوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور بالآخر وہ دن بھی آیا جب مسلمانوں کو اس ملک کو خالی کرنا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسپین کی تاریخ بڑی دل دوز و خوں چکاں ہے، اس کو پڑھنے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے، ہم اس وقت اس کے حوالہ سے ہندی مسلمانوں سے مختصر الفاظ میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، سب سے پہلے ہم ان سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اوپر ہم نے اسپین کے جو حالات اور مسلمانوں کے زوال اور گریز پائی کے جو اسباب بیان کئے ہیں کیا وہ اسباب وطن عزیز میں نہیں پائے جاتے، کیا ہمیں ان سازشوں کا علم ہے جو ہمارے خلاف رچی جا رہی ہیں، کیا ہم ان منصوبوں سے واقف ہیں جو ہمیں مٹانے کے لیے تیار کیے جا چکے ہیں، کیا ہمیں بیرونی طاقتوں اور اسلام کے ازلی دشمنوں کی کارروائیوں کی بھنک لگ پاتی ہے، کیا ہم ان خطرات کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر سکے جو بڑھتے چلے آرہے ہیں؟ کیا ہمارے خوش حال لوگ داد عیش نہیں دے رہے ہیں، کیا ہم آپس میں دست و گریباں نہیں ہیں، کیا ہماری تنظیمیں آپس میں ٹکرا نہیں رہی ہیں، کیا ہم مسلکی جنگ سے باز آگئے ہیں، اسپین میں عیسائیوں نے جو اودھم مچا رکھی تھی اور حکومت پر قابض ہونے کے بعد انہوں نے جس طرح وہاں کے مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا ڈالا تھا، ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا تھا، ان کے خلاف الزام تراشیاں کی جاتی تھیں، گھروں کی تلاشی اور گرفتاری عام ہو گئی تھی، بے گناہوں کو جرم بے گناہی کی سزا دی جاتی تھی، سوال یہ ہے کہ کیا آج وطن عزیز میں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے پھر بھی ہم غافل ہیں اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔

بے شک ہمت شکن حالات کے باوجود ہم وطن عزیز میں زندہ

پیں، چل پھر رہے ہیں، کاروبار کررہے ہیں، شادی بیاہ کی شاندار تقریبات میں مگن ہیں، الیکشن میں ووٹ بھی دیتے ہیں، کبھی کبھی سینہ پھلا کر کچھ کہہ سن بھی لیتے ہیں، اور اس بات پر خوشیاں بھی منالیتے ہیں کہ ماشاء اللہ ہماری تعداد بڑھتی جارہی ہے لیکن ہمارا ذہن قرآن کے صاف اور صریح اعلان کی طرف کیوں نہیں منتقل ہوتا کہ اللہ کے حکم سے قلیل تعداد رکھنے والے کثیر تعداد پر غالب آجاتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دنیا میں کوالٹی کی قدر ہے نہ کہ مقدار کی، کیا یہ حقیقت نہیں کہ سونا ہیرا اور لیتھیم دنیا میں بہت کم مقدار میں پایا جاتا ہے، ماشاء اللہ مساجد کی تعمیر خوب رہی ہیں، نمازیوں کی تعداد بھی روز افزوں ہے اور درس گاہیں بھی آباد ہیں، لیکن اسلاف کی خوبو باقی نہیں ہے، یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب انقلاب کے تیز دھارے بستیوں کا رخ کرتے ہیں تو ایک ایک تنکا بہالے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہلاکت خیز طوفان کا رخ موڑنے کے لیے ہم نے کیا تیاریاں کی ہیں۔

محکمہ موسمیات اگر طوفان کی آمد کی پیشگوئی کردے تو بستی کا ایک ایک فرد فکر مند اور چوکنا ہوجاتا ہے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے لگتا ہے مگر ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ طوفان بس آیا ہی چاہتا ہے مگر بدستور خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں، سدھار کی کوئی فکر اور کوشش نہیں، جہاں کل تھے وہیں آج بھی ہیں، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے روگردانی ہورہی ہے، فرائض سے غفلت عام ہے، ہماری گھریلو زندگی اجیرن نظر آتی ہے، خاندانی جھگڑے، مقدمہ بازی، فضول خرچی اور رسوم و بدعات میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، سود کی لعنت الگ ہے، پڑوسیوں کے ساتھ تعلق اچھے نہیں ہیں، غرض کہ "اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے"۔

مریض کو اگر اپنے خطرناک مرض کا احساس ہوجائے اور وہ جم کر علاج و پرہیز کرے تو اللہ کے حکم سے افاقہ ہوجاتا ہے، لیکن مرض کو مرض نہ سمجھے اور علاج اور پرہیز سے جی چرائے تو ظاہر ہے کہ وہ کبھی شفایاب نہیں ہوسکتا، علماء دردمندی اور خلوص کے ساتھ امراض کی نشاندہی کرتے ہیں، نسخہ بھی تجویز کرتے ہیں، مگر ہمارا حال یہ ہے کہ تقریریں سننے کے بعد دامن وہیں جلسہ گاہ میں جھاڑ کر چلے آتے ہیں۔

بقیہ: نماز کی مکروہات

۱۷- اگر جماعت ہورہی ہے، اور اگلی صف میں جگہ خالی ہے، پھر بھی کوئی شخص پچھلی صف میں تنہا کھڑا ہوگیا تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر اگلی صف میں جگہ خالی نہیں ہے تو اگرچہ سمجھتا ہے کہ کسی کو آسانی کے ساتھ اگلی صف سے پیچھے لایا جاسکتا ہے، وہ مسئلہ سے واقف بھی ہے، جس کی وجہ سے نماز فاسد کرلینے کا خطرہ نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو پیچھے لے آئے ورنہ اگر اس طرح کا شخص موجود نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ کسی کو پیچھے لانے کی کوشش نہ کرے بلکہ تنہا کھڑا ہوجائے۔ (شامی: ۱/۴۷۸)

۱۸- اگر امام نے کسی آنے والے نمازی کو پہچان لیا، اور اس کی خاطر رکوع یا قراءت وغیرہ کو لمبا کیا تو مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ یہاں قراءت یا رکوع غیر اللہ کے لیے کرنے کا شبہ پیدا ہورہا ہے، لیکن آنے والے کو پہچانے بغیر رکوع لمبا کیا تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اتنا لمبا نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں، بس عام عادت سے ایک دو تسبیح بڑھالے، افضل بہرحال یہی ہے کہ کسی بھی صورت میں کسی کے لیے رکوع لمبا نہ کرے خواہ پہچانا ہو یا نہیں۔ (شامی: ۱/۳۶۵-۳۶۶، ہندیہ: ۱/۱۰۸)

۱۹- ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے جس میں کسی جاندار کی تصویر بنی یا کاڑھی ہوئی ہو، اسی طرح اگر جاندار کا فوٹو سامنے، سر کے اوپر یا دائیں بائیں لگا ہوا ہو تب بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اگر پیچھے ہو تو کراہت اس میں بھی ہے، لیکن اوپر کی شکلوں کے مقابلہ میں اس میں کراہت کم ہے۔ (شامی: ۱/۴۷۹)

لیکن اگر فوٹو کا سر کسی طرح مٹادیا گیا ہو یا اتنا چھوٹا ہو کہ اگر زمین پر ہو تو کھڑے شخص کو نظر نہ آتا ہو تو کراہت نہیں ہوگی۔ (ایضا)

۲۰- نماز کے لیے سر پر رومال اس طرح باندھنا کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا رہے، مکروہ تحریمی ہے، بعض علماء نے اس طرح رومال باندھنے کو نماز کے باہر بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ (ہندیہ: ۱/۱۰۶)

۲۱- نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانا بھی مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ بخاری شریف کی حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

(البحر الرائق: ۲/۲۲)

۲۲- اگر نماز کی دوسری رکعت میں پہلی رکعت میں بھی پڑھی گئی سورت سے پہلی سورت جان بوجھ کر پڑھی تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا۔

(طحطاوی علی المراقی: ۱۹۲، کتاب المسائل: ۱/۳۴۹)

شعور کا فقدان

محمد امین حسنی ندوی

بات شروع کرتے ہیں مورلیس براؤن سے، لکھتا ہے!

''ہمیں مختلف گروہوں سے اندیشہ تھا، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، ہمیں پہلے یہودی خطرہ سے، اسی طرح جاپانی اور روسی خطرہ سے ڈر تھا، مگر یہ سارا خوف ہمارے زعم کے برعکس ثابت ہوا، کیونکہ ہم نے دیکھ لیا کہ یہودی ہمارے ہی بھائی ہیں اس لئے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے ہمارے بھی کٹر دشمن ہیں۔ پھر روسیوں کو بھی ہم نے اپنا حلیف پایا۔ جہاں تک جاپانیوں کا تعلق ہے تو ان سے بھی نمٹا جاسکتا ہے، اب اصل خطرہ نظام اسلامی اور اس کے زندہ جاوید مذہب ہونے کی حیثیت سے اپنے حلقۂ متبعین کو وسیع کر لینے کی غیر معمولی قدرت وصلاحیت سے ہے، یورپی سامراج کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تنہا یہی ہے''۔

مسلمانوں کی شبیہ کچھ دشمن کی طرف سے خراب کی جارہی ہے تو کچھ اپنے نادان دوستوں کی طرف سے بھی بگاڑی جارہی ہے جہاں دشمن اسلام کو، اسلامی تاریخ کو، اسلامی ثقافت کو، اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے میں لگے ہیں وہیں دوسری طرف اپنے بھی ان سے کسی طرح کم نہیں، مسلکی اختلافات کو ہوا دے کر مسلمانوں کو خانہ جنگی میں جھونکنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی طاقت ایسا کروارہی ہے اور ہمارے لوگ اس طاقت کے آلہ کار بن رہے ہیں، ہر آدمی اتحاد کا نعرہ لگاتا ہے لیکن خود ہی جہاں موقع ملتا ہے اتحاد جیسے لفظ کو پامال کرنے سے نہیں چوکتا ہے، قرآن مجید نے جہاں سب سے زیادہ اتحاد پر زور دیا ہے وہیں اس کو ماننے والی قوم میں سب سے زیادہ اختلافات نظر آتے ہیں۔

اس وقت دنیا کے جو حالات ہیں خاص طور پر اسلامی ممالک کی جو صورتحال ہے اور اس وقت جس طرح وہ جنگ کا میدان بنی ہوئی ہے اس سے تو یہی لگتا ہے کہ دنیا تیسری عالمی جنگ کے دہانہ پر کھڑی ہے، اور یہ حالات ایک خاص پلاننگ کے ساتھ پیدا کیے جارہے ہیں، یورپ پوری طرح سے عالم اسلام کو آگ کی بھٹی میں جھونک دینا چاہتا ہے اور دنیا کے سامنے اسلام اور اسلام کے ماننے والوں کی ایسی شبیہ پیش کرنا چاہتا ہے کہ دنیا اس سے دور بھاگے، لیکن یہ نہ کوئی نئی بات ہے اور نہ نئے حالات! ہم کو اس طرح کی مثالیں سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں میں بھی ملتی ہیں اور قرآن مجید نے ان کو وضاحت کے ساتھ رہتی دنیا تک کے لیے بیان کیا ہے ، اور اس بات کی تائید احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس وقت جس خطہ میں سب سے زیادہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور بڑی طاقتیں کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچ رہی ہیں، وہ وہی خطہ ہے جس کے متعلق احادیث میں آثار قیامت کے متعلق بیان کیا گیا ہے شام فلسطین عراق اور مشرق وسطی کا وہ خطہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور پھر دجال سے جنگ ہوگی، اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مارا جائے گا، یہ ساری پیشن گوئیاں انہی علاقوں سے متعلق ہیں۔

اسلامی دنیا کے حالات دیکھ کر لوگوں کے دلوں مایوسی پیدا ہونے لگتی ہے ، ہمت ان کی پست اور حوصلہ ان کا ٹوٹنے لگتا ہے، مایوسی کے شکار ان حضرات کو یہی مشورہ دینے کو دل چاہتا ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ کریں، حق وباطل کی کشمکش کی تاریخ بہت پرانی ہے، اہل حق کے سامنے جو مسائل پیش آرہے ہیں وہ بھی کوئی نئے نہیں ہیں، اچھے لوگوں کے خلاف بُرے لوگوں کا متحد ہوکر مورچہ لینا اور اپنی ساری طاقت وتوانائی ان کو زیر کرنے میں لگادینا یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے ، بس فرق اتنا ہے کہ اس وقت کے اہل حق کے درمیان نہ مسلک کی بنیاد پر اختلافات تھے نہ ذات برادری کی بنیاد پر، وہ دوسروں کا محاسبہ کم اپنا محاسبہ زیادہ کرتے تھے، وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار تھے، وہ جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں کے چکر میں پڑنے کے بجائے اصلاح کی انفرادی کوشش کرنے کے عادی تھے، انہوں نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا، لہٰذا وہ حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہوجاتے تھے اور خدائی مدد ان کو شامل حال رہتی تھی، تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ

اسلام ہمیشہ سے باطل کے نشانہ پر رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا، لیکن یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس میں باطل ہی کو شکست فاش ہوئی ہے حق ہمیشہ غالب ہوا ہے اور ہوگا، ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً (بنی اسرائیل/۸۱)﴾ اے نبی آپ کہہ دیں کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل مٹنے ہی کے لیے ہے) یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

قرآن مجید نے قوموں کی تاریخ بھی بیان کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے حالات کتنے ہی دگرگوں ہوں، زمانہ کتنا ہی خراب ہو، برائی کتنی ہی طاقتور ہو، بگاڑ کتنا ہی پھیل چکا ہو، لیکن فتح و کامرانی سچائی کو ملتی ہے، غلبہ اچھائی کو ملتا ہے، اور جو لوگ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ کو اپناتے ہیں کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے، یہی پچھلی قوموں میں ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ان کی قوم نے کہا تھا! ﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (اعراف/۶۰)﴾ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق قوم عاد نے سخت کلامی کی اور کہا! ﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (اعراف/۶۶)﴾ اور سید الرسل آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے سخت الفاظ بولے گئے، آپ کو مجنون کہا گیا، جادوگر کہا گیا، اور ایسی باتیں کہی گئیں کہ آپ کا جگر چھلنی ہو جاتا تھا اور صرف زبانی باتیں نہیں کی گئیں بلکہ آپ کو جسمانی اذیتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا اور جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اسکے متعلق کفار مکہ نے سخت باتیں کیں ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (فصلت/۲۶)﴾

یہ وہ حقائق ہیں جو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اور یہی واقعات آج بھی نئے نئے انداز سے پیش آرہے ہیں، مسلمانوں کو مشتعل کرنا ان پر بیجا الزامات لگا کر ان کو گرفتار کرنا، ان کو ذہنی اذیت پہنچانا، شک کی نگاہ سے ان کو دیکھنا، یہ سب پہلے ہو چکا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔

قرآن مجید نے جہاں ان مجرمین کے بغض و عناد کو بیان کیا ہے وہیں اہل ایمان کو بھی نصیحتیں کی ہیں، ان کو بھی احکامات سے نوازا ہے، ارشاد خداوندی ہے (فاصبر ان وعد الله حق) دوسری جگہ ہے (ولئن صبرتم لهو خير للصابرين) اور مکہ مکرمہ میں جب قریش مکہ کا ظلم و ستم حد سے تجاوز کر رہا تھا اور مسلمان سخت ترین حالات سے دوچار ہو رہے تھے تب بھی ان کو حکم تھا (کفوا أيديكم وأقيموا الصلوٰة) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو) صبر، اللہ کی ذات پر یقین اور صحیح شعور بڑے بڑے معرکہ سر کروا دیتی ہے اور یہ واقعات ماضی میں پیش آ چکے ہیں لیکن آج وہ واقعات کیوں پیش نہیں آ رہے ہیں یہ ایک سوال ہے؟

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں جہاں مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کی پستی اور گراوٹ کے اسباب بیان کیے گئے ہیں ان ہی میں ایک بڑا سبب صحیح شعور کا فقدان بھی ہے وہ لکھتے ہیں!

"کسی قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے عاری ہو ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکہ کھانے کے لیے تیار رہتی ہو وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے باوجود قابل اعتماد نہیں وہ پیشہ ور اور خود غرض رہنماؤں اور منافقوں کا کھلونا بن جاتی ہے ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور ان کو اسی کا اطمنان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی"۔

یہ شعور تھا جس کی بناء پر صحابہ کرام نے ملکوں پر ہی نہیں بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی اور اسی شعور کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ شعور باتوں سے یا صرف تقریروں سے پیدا نہیں ہوگا بلکہ سیرت کا مطالعہ کرنے سے اور اپنے اندر ایمان و یقین پیدا کرنے سے ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا وعدہ اہل ایمان سے کیا ہے ارشاد ہے (ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين) (ان الله لا يخلف الميعاد)۔

والدین کے حقوق

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضي الله عنه) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، قِيلَ: مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرَ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا، ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (صحیح مسلم: ۲۵۵۱)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، معلوم کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کس کی ناک خاک آلود ہو؟ فرمایا: جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکا۔

فائدہ:- رشتوں کے باب میں سب سے مضبوط اور اٹوٹ رشتہ اولاد کا اپنے والدین سے ہوتا ہے، یہ رشتہ سراپا عشق ومحبت، الفت ورحمت سے تعبیر ہوتا ہے، ہر انسان کی ابتدائی نشو ونما، تعلیم و تربیت اور ترقی کے منازل سے ہم کنار کرنے والوں میں اس کے والدین سرفہرست ہوتے ہیں، بچپن کے ان ایام میں جب بچہ شعوری زندگی سے نا آشنا ہوتا ہے، قدم قدم پر یہی والدین اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کے آرام کی خاطر اپنی نیندیں قربان کردیتے ہیں، اس کی تکلیف دور کرنے کے لیے ہر کلفت سہنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے اس رشتہ کو پاکیزہ اور مقدس رشتہ قرار دیا ہے، عبادت خدا کے ساتھ والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ☆ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (الاسراء: ۲۳-۲۴) (اور آپ کے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ تم سب صرف اسی کی بندگی کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک (کرو) اگر تمہارے پاس دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف بھی مت کرنا اور نہ ہی ان کو جھڑکنا اور ان دونوں سے عزت کے ساتھ بات کرنا ☆ اور ان دونوں کے سامنے سراپا رحمت بن کر نرمی کے ساتھ جھکے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں ہمیں پالا)

یہ والدین کے انتہائی مقام ومرتبہ والا ہونے کی بات ہے کہ ان کی نافرمانی کرنا حدیث شریف میں کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، بڑھاپے کی حالت میں پانے کے باوجود ان کی خدمت نہ کرنے والے کو سخت سست کہا گیا ہے، اور جنت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے، اگر کسی کے والدین کفر وشرک میں مبتلا ہوں، ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کو بلند ترین صلہ رحمی بتایا گیا ہے۔

ان تمام تعلیمات کے باوجود آج افسوس کا مقام ہے کہ خاصے دین دار حضرات بھی حقوق والدین کی ادائیگی میں اچھا کردار ادا نہیں کرتے، بلکہ وہ بھی مغربی ثقافت سے متاثر ہوکر اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں، جس کی شریعت نے اجازت ہی نہیں دی، شریعت اسلامی کا حکم تو یہ ہے کہ انسان حقوق والدین کی ادائیگی میں نہ صرف یہ کہ اچھا کردار ادا کرے، بلکہ ان کی کسی بھی ناگوار بات پر ''ہوں'' کا لفظ بھی نہ کہے، لیکن آج ایسے واقعات کثرت سے اخبارات کی سرخیوں میں ہوتے ہیں کہ مال کی طلب میں، جائیداد کی ہوس میں، بیوی کی بات ماننے پر بعض مسلمان حضرات اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں جو اسلامی روح کے بالکل منافی ہے، انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر انسان اس دنیا میں جن کے ذریعہ وجود میں آیا، جن کے ذریعہ بولنا، چلنا پھرنا سیکھا، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ چھوڑے، مال ومتاع، عزوجاہ کے حصول کی خاطر ان کی خدمت نہ کرے، بلکہ محض اللہ کی رضا مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی ہر اس بات کو ماننا اپنا فریضہ سمجھے، جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا اندیشہ نہ ہو، خواہ اس سلسلہ میں اس کے دیگر اعزاء اس کا تعاون کریں یا نہیں، مگر ہر شخص کا اپنا فریضہ یہ ہے کہ وہ حقوق والدین کی ادائیگی میں ہر ممکن راہ اپنائے۔

اسرائیلی پالیسی

محمد نفیس خاں ندوی

بیسویں صدی کے اوائل میں جب یہودیوں کی مالی حیثیت مستحکم ہوئی، عالمی سیاست میں ان کا کردار مؤثر ہونے لگا، یا بالفاظ دیگر اپنی عیاری ومکاری سے انھوں نے اپنے وجود کو تسلیم کروالیا اور یورپی اقوام کی کچھ ہمدردیاں حاصل کرلیں تو ان کے اندر شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ دنیا کے نقشہ میں ان کا بھی اپنا وجود ہونا ضروری ہے، اور پھر ان کی نظر انتخاب فلسطین کی سرزمین پر پڑی جسے تاریخ وجغرافیہ کے باب میں کسی بھی حیثیت سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یورپی اقوام نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور یہودیوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دیا، اور پھر 14/مئی 1948 کو یہودی سازشوں نے عملی شکل اختیار کرلی اور مسلمانوں کے قلب میں ناجائز صہیونی ریاست ''مملکت اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا گیا، اور فلسطین کا تقریباً %55 حصہ ''یہودیوں کے قدرتی اور تاریخی حق'' کے عنوان سے اسرائیل کو دیدیا گیا۔

یہودیوں کا بنیادی مقصد ایک وسیع مملکت کا قیام ہے جس کے لیے انھوں نے دو طرح کی پالیسیاں اختیار کیں۔ ایک دنیا بھر کے یہودیوں کی اسرائیل میں آبادکاری کی مہم چلائی، جس میں امریکہ وبرطانیہ نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم ''جیوش ایجنسی'' کا بھرپور تعاون کیا۔ اور دوسرے نہتے فلسطینیوں پر ہر طرح کے ظلم وستم کو جاری رکھا، جس میں انھوں نے خطرناک کیمیاوی ہتھیار بھی استعمال کیے۔

یہودیوں کی آبادکاری کے لیے سرائیل نے ہر ممکن کوششیں کیں، سیکڑوں منصوبے بنائے اور بڑی تعداد میں بستیاں بسائیں، جس سے اسرائیلی مملکت کے حدود آئے دن پھیلتے جارہے ہیں، چنانچہ جب اسرائیل ایک ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھر کر سامنے آیا، اس وقت اس کا کل رقبہ صرف پانچ ہزار مربع میل تھا، اور یہودیوں کی آبادی کم وبیش پانچ لاکھ تھی، جبکہ موجودہ حال میں اسرائیل کا رقبہ پھیل کر چونتیس ہزار مربع میل سے بھی زائد ہوچکا ہے، اور اس کی آبادی ساٹھ لاکھ سے بھی تجاوز کرچکی ہے۔

1967ء میں اقوام متحدہ نے دو قراردادوں کے ذریعہ اسرائیل کو اپنے سابقہ حدود میں جانے حکم دیا تھا مگر اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوا اور اسرائیل نے اقوام متحدہ کی قرارداد کو مسترد کرتے ہوئے یہودی بستیوں کی تعمیر کا سلسلہ بدستور جاری رکھا، چنانچہ مقبوضہ بیت المقدس کے علاقہ میں 26 بستیوں میں لاکھوں یہودی بسائے گئے، البرج اور رملہ کے علاقہ میں 24 رہائشی منصوبوں میں ہزاروں یہودی آباد ہوئے، مسجد اقصیٰ سے تقریباً 150 کلومیٹر کے فاصلہ پر ''معالیہ ازیتیم'' نام سے ایک کالونی تعمیر کی گئی ہے جس میں 132 رہائشی اپارٹمنٹ ہیں۔ مغرب کی ہمہ گیر حمایت اور اقوام متحدہ کی دوہری پالیسی نے اسرائیل کو اپنے توسیع پسندانہ پالیسیاں جاری رکھنے میں مزید گستاخ بنادیا ہے۔

اسرائیل نے اپنی مملکت کو مضبوط اور وسیع کرنے کے لیے فلسطینیوں پر ہر طرح کے مظالم کیے، ان کے علاقوں میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کیں، راستوں کی ناکہ بندی کردی گئی، گھر گھر میں تلاشیاں شروع ہوئیں، عصمتوں کو تاراج کیا گیا، اور انھیں بے گھر کرکے کیمپوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا، اور پھر ان کیمپوں کو جب چاہا قبرستان میں تبدیل کردیا جس کی ایک واضح مثال ''جینن کیمپ'' بھی ہے۔

اسرائیلی حکومت کا رویہ فلسطینی باشندوں کے ساتھ ہمیشہ ظالمانہ وجابرانہ رہا ہے، اسرائیلی جیلوں میں ہزاروں مرد وعورت اور بچے سخت اذیت کا شکار ہیں، ان پر خطرناک قسم کی کیمیاوی ادویات آزمائی جارہی ہیں، گھروں پر بلڈوزر چلائے جارہے ہیں، انھیں زندہ جلایا جارہا ہے، فلسطینیوں پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے جارہے ہیں ان کی مثال اس تاریخ میں بھی نہیں ملتی جب دنیا ہر طرح کی انسانیت سے کوسوں دور ہوکر حیوانیت کی سطح پر تھی۔ آج فلسطین میں ان معصوموں کے خلاف ہر طرح کے انسانیت سوز اقدامات جاری ہیں، ان اقدامات نے جہاں ایک طرف اقوام عالم کے ضمیر کو جھنجوڑ رکھ دیا وہیں اقوام متحدہ اور مغربی ممالک نہ صرف خاموشی اختیار کرلی بلکہ پس پردہ اس کی حمایت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ لیکن سوالیہ نشان تو ان حکومتوں، تنظیموں اور جماعتوں پر ہے جن کا وجود اسلام کے نام پر ہے اور انھوں نے فلسطینیوں سے اپنی آنکھیں موند لی ہیں، چند روزہ اس زندگی کے بعد جب احتساب کی مجلس قائم ہوگی تب ہر کوئی اپنے اعمال کا بدلہ ضرور پائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ کا زوال کسی قوم کا مقدر نہیں، آج نہیں تو کل فلسطینی مسلمان دوبارہ ابھریں گے اور خدائی نظام نافذ کریں گے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ

اسلامی تاریخ کا ایک گم شدہ ورق

''ہماری تہذیب وہ واحد تہذیب ہے جس کے اکابر نے سخت ترین جنگی حالات میں بھی بلند ترین عادلانہ اور مشفقانہ انسانیت کا مظاہرہ کیا ہے، خصوصاً ایسے مواقع پر جب حالات انسان کو خونریزی، ظلم اور انتقام پر برانگیختہ کرتے ہیں خدا شاہد ہے کہ مسلمانوں کے یہ جنگی اخلاق اگر ناقابل انکار تاریخی واقعات سے ثابت نہ ہوتے تو میں ان تمام واقعات کو ایک افسانہ سمجھتا جس کی کوئی حقیقت اس زمین پر نہیں ہوا کرتی:

جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مسند خلافت پر بیٹھے تو سمرقند کے لوگوں کا ایک وفد ان کے پاس شکایت یہ لے کر آیا کہ وہاں کے اسلامی لشکر کے سپہ سالار قتیبہ نے بغیر کسی جواز کے ان کا شہر لے کر وہاں کی آبادی میں مسلمانوں کو بسا دیا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے عامل سمرقند کو لکھا کہ وہ قتیبہ اور سمرقند کے مقدمہ کے لیے وہاں ایک اسپیشل عدالت مقرر کریں، اگر جج یہ فیصلہ کرے کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکل جانا چاہیے تو وہ فوراً شہر خالی کر دیں، عامل نے جمیع بن حاضر الباہلی کو مقرر کیا تا کہ وہ تحقیقات کریں، تحقیقات کے بعد انہوں نے جو خود بھی مسلمان تھے، مسلمانوں کے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ دیا، نیز یہ لکھا کہ اسلامی فوج کے سپہ سالار کو چاہیے تھا کہ پہلے ان کو جنگ کا الٹی میٹم دیتے اور اسلام کے جنگی قانون کے مطابق تمام معاہدے منسوخ کرتے تا کہ اہل سمرقند مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے تیاری کر سکتے، ان پر اچانک حملہ ناروا تھا، جب اہل سمرقند کو یہ صورت حال دیکھ کر یقین ہو گیا کہ تاریخ انسانیت کے اندر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی حکومت نے کسی فوج کے کمانڈر انچیف کو اور فوج کو ایسے ضوابط کے اندر کس رکھا ہو تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسی قوم سے جنگ فضول ہے، بلکہ ایسی قوم کی حکمرانی اللہ کی نعمت اور رحمت ہے، لہٰذا وہ اسلامی فوج کے رہنے پر رضامند ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ مسلمان ان کے درمیان رہیں۔

غور کیجئے! ایک فوج ایک شہر فتح کر کے اس میں داخل ہو جاتی، لوگ فاتح حکومت سے شکایت کرتے ہیں، حکومت کے جج خود اپنی فاتح فوج کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں، اور فوج کے اخراج کا حکم صادر کرتے ہیں اور طے کرتے ہیں کہ لوگوں کی مرضی کے خلاف وہ وہاں نہیں رہ سکتے، کیا انسانیت کی قدیم اور جدید تاریخ میں کوئی شخص کسی ایک جنگ کی نشان دہی کر سکتا ہے، جس کے سپاہی اپنے آپ کو ایسی حدود و قیود کا پابند رکھتے ہوں، اور سچائی اور صداقت کے ایسے بلند پایہ اصولوں کی پیروی کرتے ہوں جیسا کہ ہماری تہذیب کے فرزندوں نے کر کے دکھایا، جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اقوام عالم میں کسی قوم کے اندر بھی ایسے اخلاق کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔''

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 | APRIL 2016 | Issue: 04

DECLARATION OF OWNERSHIP AND OTHER DETAILS (FORM 4 RULE 8)

Name of Paper:	Payam-e-Arafat
Place of Publication:	Raebareli
Periodicity of Publication:	Monthly
Chief Editor:	Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
Nationality:	Indian
Address:	Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001
Printer/Publisher:	Mohammad Hasan Nadwi
Nationality:	Indian
Address:	Maidanpur, Post. Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) India
Ownership:	Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

I, Mohammad Hasan Nadwi, printer/publisher declare that the above information is correct to the best of my knowledge and belief.
(March 2014)

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)